اسلامی قانون کے بعض اہم امتیازات

ڈاکٹر مدکور کی تالیف "مدخل الفقہ الاسلامی" کی ایک فصل

ترجمہ: قاضی عبدالنبی کوکب

[ڈاکٹر محمد سلام مدکور، مصر کے اسلام پسند قانون دان ہیں۔ وہ ایک عرصے سے قاہرہ کے لاکالج میں اسلامی قانون کے صدرِ شعبہ چلے آرہے ہیں۔ انھوں نے اسلامی قانون پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں "مدخل الفقہ الاسلامی" ایک مختصر، مگر نہایت جامع اور پُرمغز تالیف ہے۔ جدید دَور کو سامنے رکھ کر فقہ اسلامی کا مطالعہ کرنے والے، اس کتاب سے قیمتی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ کتاب کی یہی اہمیت اسے اُردو میں منتقل کرنے کی باعث بنی۔ ترجمہ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ طباعت سے پہلے اس کی ایک فصل "ترجمان القرآن" میں اس لیے شائع کرا رہا ہوں کہ موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ضروری مشورہ دے سکیں۔ کوکب]

فقہی احکام کی وسعت و ہمہ گیری فقہ اسلامی کے احکام، فرد، جماعت اور ریاست کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو شامل ہیں، خواہ یہ پہلو اللہ تعالیٰ کے اُن حقوق سے متعلق ہوں جو بندوں کے ذمّے واجب ہیں، یا اِن حقوق سے متعلق ہوں جو بندوں کے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں، یا ان حقوق سے متعلق جو معاشرتی نوعیّت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی دو بنیادی حصّوں میں منقسم ہو جاتی ہے:۔

(۱) حصّۂ عبادات (۲) حصّہ معاملات

(۱) حصّہ عبادات یہ وہ افعال ہیں جن سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ مثلاً: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ان افعال میں شریعت کا مطالبہ تعبدی (یعنی بندگی کی) نوعیت رکھتا ہے۔ اس لیے ان کے احکام

دوامی اور مستقل حیثیت کے حامل ہیں، ماحول اور زمانے کے تغیرات کے ساتھ تغیر پذیر نہیں ہوتے۔اس نوعیت کے احکام کی کوئی مثال کسی دنیوی قانون میں نہیں مل سکتی، کیونکہ یہ دنیوی قوانین بندے اور خالق کے درمیان پائے جانے والے رابطے سے قطعاً بحث نہیں کرتے۔ شریعتِ ربّانی میں یہ عبادات اس لیے نہیں مقرر کی گئیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی حاجت ہے۔ بلکہ یہ نظامِ عبادات انسان کو پیکرِ اطاعت و تسلیم بنانے کے لیے۔ اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کی برداشت کا خوگر کر دینے کے لیے رکھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اس نظام میں طہارت و نظافت، وقت کی قدر دانی اور پابندی، نیز خالق کے انعامات پر شکر گزاری کی تربیت بھی پائی جاتی ہے۔

نماز کا منظر دیکھیے۔ نمازی بندے کس شانِ تنظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں جبکہ ان کے جسم صاف اور دل پاکیزگی سے معمور ہوتے ہیں۔ روزہ نفس کی تربیت و تطہیر کرتا ہے اسے خواہشات کی زنجیروں اور عادات کی قید و بند سے رہائی بخشتا ہے۔ مالدار اور تنگ دست دونوں کو محرومی اور حاجتمندی کے احساس میں سے گزار کر ان میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے جس سے متحارب طبقوں کے درمیان قرب و مودّت، اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے درمیان وصل و محبّت کی راہیں نکل سکتی ہیں۔ زکوٰۃ بھی یہ واضح کرتی ہوئی کہ سرمایہ دار کی املاک میں خستہ حال لوگوں کا حصّہ شامل ہے، سوسائٹی کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے، اور معاشرے میں تعاون کی رُوح پھیلا دیتی ہے۔ حج صعوبتوں اور ناگواریوں کے تحمل کی تربیت دیتا ہے۔ اور رسمی زندگی کی بعض رسوم و عادات کے بندھنوں سے آزادی عطا کرتا ہے۔ مزید برآں یہ فرزندانِ توحید کی ایک عام سالانہ کانفرنس ہے جس میں مختلف اطراف ارض کے نمائندے شریک ہوتے ہیں اور بین الاقوامی مسائل معرضِ بحث میں لائے جاتے ہیں۔

فقہاء اسلام نے اُن احکام کو بھی عبادات ہی کے حصّے میں شامل کیا ہے جو خاندانی زندگی کی تعمیر و تنظیم کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، کیونکہ شریعت کی طرف سے خاندانی زندگی کی ذمہ داریوں کو کماحقہ پورا کرنے کی ازحد تاکید کی گئی ہے تاکہ معاشرتی نظم انسانی زندگی کے شایانِ شان اسلوب کے مطابق چل سکے۔ خاندانی زندگی سے متعلق شرعی احکام کا خاکہ حسبِ ذیل ہے:

• نکاح کے احکام

- مرد و زن کے باہمی تعلق کی حرام و حلال نوعیتیں۔
- حق مہر اور وہ سامان جو تفریق کی بعض صورتوں میں عورت کو دیا جاتا ہے۔
- تعلق ازدواج کے بعد متعلقہ حقوق و مسائل، مثلاً نان و نفقہ، نسب، ولایت (GAURDIANSHIP) اور رضاعت وغیرہ۔
- طلاق یا تفریق کے سبب رشتۂ نکاح کا ختم ہو جانا اور اس پر مرتب ہونے والے احکام۔

یہ سب وہ قوانین ہیں جنہیں آج کل شخصی قوانین (PERSONAL LAW) کہا جاتا ہے۔

۲۔ حصۂ معاملات: اس حصے میں وہ احکام و قوانین ہیں جن کی غرض و غایت اسلامی معاشرے کی ایسی تعمیر و تنظیم ہے جو انسان کے فطری تقاضائے مدنیت کے عین مطابق ہو، تاکہ انسانی تمدن ایسا انداز اختیار کرلے جو رشد و ہدایت سے معمور زندگی کی تخلیق کر سکے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس حصے کے احکام کتاب و سنت میں اجمال کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ایسا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کے اہل امر اصحاب لوگوں کی مصلحتوں اور بدلتے ہوئے عرف و رواج کو مدنظر رکھ کر احکام کے اخذ و استنباط کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامی نے حصۂ معاملات پہ بنیادی رہنمائی کردی ہے کہ ان قوانین کا حقیقی مقصد لوگوں کی بہتری اور اجتماعی نظم و ضبط کی محافظت ہے۔ اس کے بعد شریعت نے زیادہ تر کچھ اصولی احکام و قوانین بیان کر دیئے ہیں، اور بقیہ تفصیلی جزئیات کو اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ وہ اصولی قاعدوں کی روشنی میں فقیہانہ بصیرت کے تقاضوں کے مطابق طے ہوتے رہیں گے۔

بین الاقوامی قانون: شریعت کا یہ حصۂ معاملات اُن تمام قانونی گوشوں پر پھیلا ہوا ہے جن پر آج کے جدید قوانین مشتمل دیکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کی متعدد سورتوں[۱] میں بین الاقوامی روابط کی ہدایات مذکور ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی قانون کے بہت سے پہلو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن معاہدات سے اور اُن پر مرتب ہونے والے ایفائے عہد اور منسوخیٔ معاہدہ کے احکام سے بھی واضح ہوتے ہیں جو آپؐ نے مختلف اقوام و قبائل سے کیے[۲]۔ اس کے

---

[۱] مثلاً انفال، توبہ، فتح، اور ممتحنہ جیسی سورتوں میں۔ (مؤلف)

[۲] سیرت کی کتابوں میں ان متعدد معاہدات کے متن محفوظ ہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مختلف گروہوں کے درمیان منعقد ہوئے۔ فقہائے کرام نے بین الاقوامی قانون کے سلسلے میں ان معاہداتِ نبوی کو استنباطِ احکام کے لیے ماخذ کی حیثیت دی ہے۔ (مؤلف)

پیشِ نظر فقہائے اسلام نے اُمّتِ مسلمہ کے قانونِ صلح و جنگ کو، اور اس سے متعلقہ احکام و مسائل کو حصّۂ معاملات میں درج کیا ہے۔ قدیم مؤلفین انہی امور کو "سیر و مغازی" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ علاوہ ازیں فقہاء نے مسلمانوں کے اُن معاملات کو بھی اسی مذکورہ حصّۂ قانون میں شامل رکھا ہے، جو ذمّی، مُستامن اور حربی لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں[1]۔

ملکی قوانین | فقہاءِ اسلام نے دستور (CONSTITUTION) اور نظم ونسق (ADMINISTRATION) سے متعلق مباحث کو بھی حصّۂ معاملات میں رکھا ہے اور ان مباحث کو "سیاستِ شرعیہ" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

اسی طرح مالی اور اقتصادی اُمور کے بعض پہلوؤں مثلاً عشر، خراج، جزیہ، کنز، معدنی دولت اور زمین کی آبادکاری وغیرہ کو بھی اسی حصے میں درج کیا ہے۔ پھر فقہاء نے کتاب و سنّت کی ہدایات سے عدل و انصاف پر مبنی کچھ ایسے اجتماعی قوانین بھی اخذ کیے ہیں جو ملکیت اور اس سے استفادے کی حدیں واضح کرتے ہیں، اور ان قوانین کو بھی اسی حصّۂ معاملات میں شامل کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ، لوگوں کے اقتصادی روابط کی قسمیں، حصُولِ ملکیت کے طریقے، نیز ان پر مرتب ہونے والی قانونی ذمّہ داریاں، اور ساتھ ہی ذمّہ داری کی اہلیّت کی شرطیں، یہ سب امور شرح و بسط سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔

شرکت اور اس کی مختلف صورتوں کا مبحث بھی اسی حصّے میں درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس حصّۂ معاملات میں فقہائے کرام نے ایک انسان کی دوسرے انسان کے خلاف ظلم و زیادتی کی بحث بھی شامل کر لی ہے، اور اس کے لیے نہایت مفصل، مستحکم اور کاملۃً مبنی بر انصاف ضابطے مقرر کیے ہیں۔ یہ قواعد و ضوابط، جرم و جنایت یعنی

---

[1] ذمّی وہ غیر مسلم ہیں جن کی حفاظت جان و مال کی ذمّہ داری مسلم حکومت نے قبول کر لی ہو، اور وہ مسلم حکومت کو اس کے عوض جزیہ ادا کرتے ہوں۔ مستامن وہ غیر مسلم ہے جو کافر مملکت سے مسلم مملکت میں عارضی طور پر امان حاصل کر کے داخل ہو۔ اگر اسی حیثیت کے ساتھ، مسلمان، کسی کافر مملکت میں داخل ہو تو وہ بھی مستامن کہلاتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو جدید دور میں پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے رائج ہے۔ حربی اس کافر حکومت کے غیر مسلم باشندے کو کہتے ہیں جس نے مُسلم حکومت کے ساتھ کوئی معاہدۂ امن قائم نہ کر رکھا ہو۔ فقہاء نے اپنی تالیفات میں، غنیمت، عُشر، خراج اور جزیہ کے مسائل، نیز ذمیوں، حربیوں اور مستامنین کے احکام، "کتاب السیر" کے زیرِ عنوان بیان کیے ہیں۔ مثلاً ہدایہ کی دوسری جلد کے آخری باب میں "کتاب السیر" موجود ہے۔ (کوکب)

جارحانہ زیادتی) کی اُن تمام صورتوں پر محیط ہیں جو لوگوں نے نکالی اور استعمال کی ہیں، چاہے یہ جنایات جانی نقصان پہنچانے والی ہوں، اور چاہے کسی حصۂ جسم کے لیے، انسانی عزت و آبرو کے لیے، یا مال و دولت کے لیے ضرر رساں ہوں۔ پھر اسی حصّے میں کچھ خاص ابواب ایسے بھی ہیں جن کا تعلق مقدمات و خصومات کے ساتھ ہے، مثلاً وہ ابواب جن میں قضاء دعویٰ، اور شہادت وغیرہ کے قوانین بیان ہوتے ہیں۔

فقہ اسلامی کی جامعیت یوں آپ بجا طور پر محسوس کریں گے کہ فقہ اسلامی نے مسلمانوں کے امور و معاملات کے ہر گوشے کو قانون کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اور جن امور پر کتاب و سنّت کی کوئی تصریحی ہدایت معلوم نہ ہو سکی، اُن پر بھی فقہاءِ اسلام اپنے طویل قانونی تجربے کے متوارث سلسلے میں مفصل اور منضبط قانونی معلومات پیش کرتے رہے یہاں تک کہ ہماری فقہ ایک ایسی پُرشکوہ اور باعظمت عمارت کی حیثیت اختیار کر گئی جو ایسی مستحکم بنیادوں پر کھڑی ہے جن میں ہر جدید تغیّر کو نہایت عمدگی سے سہار لینے کی صلاحیت موجود ہے۔

اس گفتگو سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ علم فقہ جس طرح ان شرعی احکام سے بحث کرتا ہے جن پر کتاب و سنّت کی تصریحات موجود ہیں، اُسی طرح ان احکام سے بھی بحث کرتا ہے جن کے لیے کتاب و سنّت کی تصریحات تو دستیاب نہیں ہیں، لیکن شارع کی طرف سے کچھ ایسے امتیازی نشانات (INDICATIONS) نصب کر دیئے گئے ہیں جو غیر منصوص احکام کے سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ کیفیت مسائلِ عبادات میں بھی پائی جاتی ہے اور مسائلِ معاملات میں بھی۔ نیز یہ مسلمانوں کے احکام میں بھی موجود ہے اور غیر مسلموں کے احکام میں بھی۔ اس طرح فقہ اسلامی کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس فقہ نے اپنے ہمہ گیر سرچشموں کی وسیع قوتوں کے ساتھ انسانی زندگی اور انسانی معاملات کے ہر پہلو کے لیے ایسے قواعد و ضوابط وضع کر دیئے ہیں جن کی رہنمائی میں اخذ و استنباط اور قیاس و اجتہاد کا عمل جاری رہتا ہے۔ اسی چیز نے اس قانون کو ہر دور کے تقاضے پورے کرنے والا اور ہر مقام و ماحول میں مناسب ترین ثابت ہونے والا بنا دیا ہے۔

اسلامی فقہ کا اجتماعی مزاج فقہ اسلامی فرد اور سوسائٹی، دونوں کی بہبود کو مدّنظر رکھتی ہے۔ مگر سوسائٹی کی بہبود کو اُس نے فرد کی بہبود پر بہر حال ترجیح دی ہے۔ اس لیے فقہ اسلامی یہ حق رکھتی ہے کہ اسے اجتماعی المزاج کہا جائے۔ اس حقیقت کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ جس وقت کوئی فرد اپنے حق کا غلط استعمال کر کے کسی دوسرے فرد کو

نقصان پہنچاتا ہے، یا اس کے اختیارات عوامی بہبود کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں تو فقہ اسلامی اس موقع پر فرد کے حق اور اس کے اختیارات پر حد بندی کا طریقہ اختیار کرتی ہے۔ کیونکہ عام دنیوی قوانین کے برعکس، قانونِ اسلامی کے نزدیک افراد کے حقوق از خود حاصل شدہ نہیں ہیں بلکہ وہ خالق کی طرف سے عطا کردہ ہیں اور عوامی بہبود کی نگہداشت اور دوسرے افراد کے لیے غیر ضرر رساں ہونے کی شرط کے ساتھ مشروط ہیں۔ لہٰذا فرد کو کسی عمل سے، جو اس کے لیے فی الواقع مباح بھی ہو اُس وقت روکا جا سکتا ہے جبکہ وہ عمل کسی دوسرے کے نقصان پر منتج ہو رہا ہو۔ وجہ ظاہر ہے۔ اجتماعی مصلحت، انفرادی مصلحت پر مقدم رکھی جاتی ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "اسلام میں ضرر اور ضرر رسانی کی گنجائش نہیں ہے۔" اس فرمان کا منشاء یہی ہے کہ ہر ایسے فعل کا دفعیہ واجب ہے جو دوسروں کے لیے ضرر رساں ثابت ہو رہا ہو، اگرچہ وہ فی نفسہ مباح ہی کیوں نہ ہو۔ بعض احادیثِ نبویؐ سے اس قاعدے کی کچھ تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی بیع پر بیع کرنے، اور دوسرے کی منگنی پر منگنی کرنے سے منع فرمایا ہے، ماسوا اس کے کہ وہ شخص ایسا کرنے کی اجازت دے دے۔ اسی طرح شفعہ کا قانون بھی ہے، اور یہ شفعہ بیع و شراء کی آزادی پر ایک طرح کی حد بندی ہی تو ہے جس کا مقصد یہی ہے کہ شریک یا ہمسائے کو نقصان نہ پہنچنے دیا جائے۔ دوسرے افراد کے لیے نفی ضرر کا یہ قانونی رجحان نہایت اطمینان بخش چیز ہے جس سے حیاتِ انسانی سعادت کے پہلو حاصل کرتی ہے اور انسانی معاشرہ تعمیری صلاحیتوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔

ہمارے فقہاء اس بات کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ بعض حالات میں عوامی فائدے کے لیے فرد سے اس کی ملکیت کی کوئی چیز جبراً بھی لی جا سکتی ہے، مثلاً سڑک کشادہ کرنے، نہر نکالنے، مسجد، شفاخانہ یا مدرسہ بنانے کے لیے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مالک کو اس کی چیز کی واجبی قیمت ادا کر دی جائے۔ حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں اس کی مثالیں پیش آئی تھیں۔ چنانچہ ان دونوں خلفاء نے مسجدِ حرام کی توسیع کے لیے بعض صحابہ کے مکان ان سے خالی کرا لیے، حالانکہ وہ صحابہ اس پر معترض تھے، رضامند نہ تھے، کیونکہ وہ اپنی رہائش گاہ بیت اللہ کے قرب میں رکھنا پسند کرتے تھے۔

اسی طرح، فقہاء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ حکومت لوگوں سے غلے کے فالتو ذخائر حاصل کرے جبکہ فوج کو راشن پہنچانے یا کسی قحط زدہ علاقے کی مدد کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہو۔ کاریگروں سے جبراً کام لینا بھی ایسی

حالت میں جائز ہے جبکہ اجتماعی مفاد کے لیے وہ کام کرنا ضروری ہو گیا ہو۔

یہ اجتماعی نقطۂ نظر ایسا اہم اصلاحی اور عوامی نقطۂ نظر ہے جو اسلام کے برحق ہونے اور زندۂ جاوید ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ اس سے معاندین کی یہ الزام تراشی بھی بھسم ہو کر رہ جاتی ہے کہ اسلام کے احکام و قوانین، دنیا کے سابق قوانین (مثلاً رومن لا وغیرہ) سے ماخوذ ہیں۔ آپ قانون کے اجتماعی المزاج ہونے کے اس پہلو ہی کو لے لیجیے کہ اسلام اسے تیرہ سو سال سے بھی زیادہ عرصے سے پیش کرتا چلا آرہا ہے اور دوسرے دنیوی قوانین آج کے جدید دورِ تہذیب میں آکر اس کی طرف رجوع کرنے اور اسے اپنانے لگے ہیں کیونکہ اس کے فقدان کی بنا پر انہیں سخت دقت اور ضرر کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، حالانکہ اسلامی قانون کی تاریخ میں ایسی صورتِ حال ایک دن بھی پیش نہیں آئی۔

اسلامی قانون کے امتیازات

اسلام کے اجتماعی مزاج کی بحث سے آپ نے یقیناً محسوس کر لیا ہو گا کہ یہی وہ دینِ انسانیت ہے جو بقا اور دوامیت کا پورا حقدار ہے۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا ہے اس کا یہ استحقاق اور ثابت ہوتا چلا جاتا ہے، کیونکہ اس دین کی عمارت ٹھوس ستونوں اور نہایت مضبوط و مستحکم بنیادوں پر کھڑی ہے۔ اسی سے آسمانی شرائع کا یہ پہلو بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کس ہمہ گیری کے ساتھ انسانی مسائل و ضروریات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ پھر یہی وہ پہلو ہے جو انسان کو دعوت دیتا ہے کہ اس کے لیے ان شرائع کی طرف رجوع کرنا اور ان کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو جانا لازم ہے۔ کیونکہ جو شخص بھی ان میں صحیح غور کرتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ عالمی معاملات کی تدبیر و تنظیم میں ان شرائع کا کیا مقام ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حقیقت درج ذیل نکات سے مزید واضح ہو سکے گی:

شریعتِ اسلامی تمام آسمانی شریعتوں کی خاتم، اُن میں سب سے بڑھ کر عالمگیر، اور ٹھیک اس خالقِ علّام کی جانب سے ہے جو مخفی حقائق کو جاننے والا ہے اور حرص و خطا سے منزّہ ہے۔ یہی ایک ایسی شریعت ہے جو بغیر کسی کوتاہ دامنی کے، اور بغیر کسی کجروی کے، انسانی مسائل اور ضروریات کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔ مگر انسانوں کے خود ساختہ قوانین میں یہ بات کہاں؟ اُن میں محدود فکرِ انسانی کارفرما ہوتی ہے جو اغراض اور خواہشات اور تعصبات کے فیصلوں سے متاثر ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات قواعد میں ٹھوکر کھا جاتی ہے، اور کبھی احکام کے اسباب میں غلط نتائج تک پہنچ جاتی ہے۔

اسلامی شریعت، اپنی روحانی تعمیر اور نفسیاتی تہذیب کے ساتھ، ضمیر کی بیداری کو تقویت دیتی ہے اور اُس پاکیزہ دل سے پورا فائدہ اٹھاتی ہے جس کی اصلاحی قوتوں کے ساتھ تربیت کی جا چکی ہوتی ہے۔ پھر یہ پاکیزہ و شفاف

دل اپنی پاکیزگی کی بنا پر خود بخود خیر کو پسند کرتا ہے، بھلائیوں سے مستفید ہوتا ہے، اور شر کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن دنیوی قوانین کا معاملہ دوسرا ہے۔ وہ صرف ڈنڈے اور سزا کے خوف کے ساتھ اصلاحِ احوال کرتے ہیں اور اس طریق کار میں انسانوں کو بھی جانوروں کی طرح ہانک کر چلایا جاتا ہے۔ نہ ضمیر کی تربیت کی جاتی ہے اور نہ کوئی اخلاقی حس ابھاری جاتی ہے۔

یہ پہلو اس بات سے اور بھی زیادہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت نے انسان کے ہر عمل پر دو نوعیتوں کی جزا لازم قرار دی ہے ایک وہ دنیوی جزا جس سے نچلے طبقوں کو درست چلایا جاتا ہے۔ اور دوسری وہ جزائے آخرت جو اونچی سطح کے لوگوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے برعکس، دنیوی قانون محض دنیوی جزا کا تصور رکھتا ہے جو صرف اُس نچلے طبقے کے مناسب حال ہو سکتا ہے جسے بلند معیاروں تک رفعت حاصل نہیں ہوتی۔

پھر اسلامی شریعت خیر اور شر، دونوں قسم کے اعمال پر جزا مرتب کرتی ہے۔ نکوکار کو مستحق ثواب اور غلط کار کو مستلزم عقاب قرار دیتی ہے۔ لیکن دنیوی قوانین صرف شر کے پہلو پر جزا کو لازم کرتے ہیں اور سزا کے ذریعے سے اس کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر اعمالِ خیر پر حسن جزا کا پہلو اِن قوانین کی حدود سے خارج ہے۔ اس لیے دنیا کے اِن وضعی قوانین میں بڑی سے بڑی صلاحیت بس یہی ہو سکتی ہے کہ وہ طبیعتوں میں کارِ خیر کے اختیار کرنے اور اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا کوئی جذبہ پیدا کیے بغیر اُن کا منتہائے ہمت بس یہ بنا دیں کہ انہیں سزا کے خوف کی وجہ سے افعالِ شر سے باز رہنا ہے۔ اور جب کسی کی طبیعت میں خلاف ورزی کی خواہش اُبھرے تو وہ عقوبت کے کوڑے سے بچنے کے لیے خفیہ حیلے تلاش کرتا پھرے۔ لیکن شریعت خداوندی کے ساتھ رابطہ رکھنے والے انسان کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ شریعت کے ساتھ اس کے رابطے کی بنیاد ہی یہ ہے کہ وہ خالق کی ذات پر سچا ایمان رکھتا ہے جو اسے ہر ایسے فعل کے قریب تک پھٹکنے سے روکتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ مومن کا عقیدہ یہ ہے کہ علمِ الٰہی ہر چیز کو محیط ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو بعد موت پھر اٹھا کر اس کے ایک ایک عمل کا محاسبہ کرنے والا ہے۔

اور غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کے پہلو کو انسانی عقل و شعور کی پوری تائید حاصل ہے عقل اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرتی کہ موت کے بعد سارا سلسلہ ہی ختم ہو کر رہ جائے، نہ کوئی حساب و کتاب ہو اور نہ جزا و سزا۔

کیا عقل اس بات کو مان سکتی ہے کہ ایک نیک کردار، با فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق سب حقوق ادا کرنے والے انسان کا انجام بھی ویسا ہی ہو جیسا کہ ایک شر پسند، رذائل کے مرتکب، لوگوں کے امن وسکون کو غارت کرنے والے اور ان کے املاک و ناموس پر دست درازی کرنے والے انسان کا ہونا چاہیے؟ پھر کیا وہ حکمران جو ظلم کی روش اختیار کرتا ہے، شہوت و لذت پرستی میں ڈوب جاتا ہے، اور لوگوں کی روزی، عزت و ناموس اور آزادی پر ہاتھ صاف کرتا ہے، اُس حکمران کے مانند قرار دیا جا سکتا ہے جو عدل پسند ہو، عوام کی سلامتیِ مال و جان کے لیے فکرمند رہتا ہو، اور انسانیتِ فاضلہ کی راہوں پر لوگوں کو پوری آزادیاں عطا کرتا ہو؟ اس لیے آخرت کو تسلیم کرنا لازمی ہے جہاں ہر انسان کی عاقبت انصاف کے صحیح اصولوں کے مطابق مرتب ہو۔ یوں بندہ مومن، اپنے صحیح غور و تامل سے کام لیتا ہوا، ان راہوں پر بڑھتا چلا جاتا ہے جن پر انسانیتِ فاضلہ کی منزل حاصل ہوتی ہے۔ یہ بندۂ مومن جہاں جاتا ہے، خیر و برکت اس کے ساتھ جاتی ہے، اور جہاں فروکش ہوتا ہے، انصاف اور امن وہیں پڑاؤ کرتے ہیں۔

اسلامی شریعت میں اللہ نے قانون سازی کا ادارہ اہلِ ذکر علماء کے سپرد کیا ہے۔ یہ مجتہدین کرام ہیں جن پر شارع کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ پیش آنے والے واقعات و حالات میں کتاب و سنت کی تصریحات سے احکام مستنبط کریں، یا پھر اسلام کے نظم قانونی کے مطابق شریعت کے رہنما اصولوں (امارات،) سے احکام اخذ کریں اور اس فریضے کی ادائیگی میں ہر ناانصافی اور ہر انحراف سے دور رہیں۔

لیکن دنیوی قوانین میں قانون سازی کے اختیارات ریاست کے دستور کی طرف سے مقرر کردہ ایک خاص مجلس کے ہاتھوں میں بند کر دیئے جاتے ہیں، جو بسا اوقات صحیح قانون سازی کے بجائے فاش غلطیوں کا ارتکاب کرتی رہتی ہے، مگر قانون سازی کا اختیار بہرحال اسی مجلس کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔

شریعتِ خداوندی اور دنیوی قوانین کے موازنے سے سب سے بڑا اہم نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ اسلامی شریعت، جو بلاشبہ تمام آسمانی شرائع کی خاتم ہے، دو بنیادی اُمور کو بطورِ مقصد پیش نظر رکھتی ہے:

(۱) بندے کا اپنے خالق کے ساتھ صحیح رابطہ قائم کرنا،

(۲) اور خود بندوں کے، ایک دوسرے کے ساتھ روابط کو درست طریقوں پر استوار کرنا، اِس حقیقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے کہ پہلی چیز دوسری چیز کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

(بقیہ: اسلامی قانون کے اہم امتیازات)

مگر جہاں تک دنیوی قوانین کا تعلق ہے، وہ فقط لوگوں کے باہمی معاملات ہی کی تنظیم و تنسیق کو مقصد بناتے ہیں، اور خالق کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے مخلوق کے باہمی تعلقات کو درست کرنے کا مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا۔